© rasailojaraid.com

میری تمام سرگزشت............

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب

[شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کے بارے میں اگر کہا جائے کہ وہ اس وقت برصغیر کے سب سے بڑے جلیل القدر استاذِ حدیث ہیں تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ ان کا صرف صحیح بخاری شریف پڑھانے کا عرصہ نصف صدی پر مشتمل ہے ملک اور بیرون ملک کے بڑے بڑے شیخ الحدیث آپ کے تلامذہ کے حلقے میں شامل ہیں، حضرت نے اپنی سوانح زندگی املا کرانا شروع کی ہے جسے جامعہ فاروقیہ کے فاضل اور تخصص فی الفقہ کے طالب علم مولوی شمس الحق کشمیری ضبط کر رہے ہیں، اب تک دو ڈھائی سو صفحات ہو چکے ہیں اور یوں خود حضرت کی زبان سے ان کی زندگی کی سرگزشت مرتب ہو رہی ہے، اس سرگزشت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت نے بغیر تصنع وتکلف کے زندگی کے واقعات کو ہو بہو بیان کر دیا ہے، بڑے لوگوں کی سوانح پر لکھی جانے والی کتابوں میں عموماً ایک کمی یہ پائی جاتی ہے کہ وہ بچپن ہی سے طبعی زندگی سے ماوراء منفرد دکھائے جانے لگتے ہیں، سوانح نگار غالباً عقیدت کی بنیاد پر ایسا کرتے ہیں لیکن اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ پڑھنے والا قاری ان کو فطری تقاضوں، طبعی زندگی کی الجھنوں اور گردش لیل ونہار کی ہمہ گیر جکڑ بندیوں سے آزاد دیکھ کر یہ تاثر لے لیتا ہے کہ جو جھمیلے والی زندگی میں گزار رہا ہوں اس میں ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنا ممکن نہیں، وہ ان کی سوانح کو قابل رشک تو سمجھ لیتا ہے، قابل تقلید نہیں.......... لیکن حضرت نے اپنی اس آپ بیتی میں طبعی زندگی کے واقعات کو بغیر کسی آمیزش کے ذکر کر دیا ہے، ابتدائی تعلیم وتربیت کی تفصیلات کے ساتھ بچپن کی شوخیوں اور دلچسپیوں پر مشتمل یہ پہلی قسط نذر قارئین ہے، امید ہے کہ اسے ذوق وشوق سے پڑھا جائے گا۔ سوانح یا آپ بیتی کا فی الحال یہ نام اس ناکارہ نے علامہ اقبال کے اس مشہور شعر سے اخذ کیا ہے۔

میں کہ مری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ　　میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو] (مدیر)

پیش لفظ: ہم یہ چاہتے ہیں کہ اپنی زندگی کے واقعات جو شروع سے لے کر اب تک گزرے ہیں، ان کو آپ کے سامنے بیان کریں، اس کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ آپ کو ہمارے حالات کا علم ہو، اور دوسرا مقصد اس کا یہ بھی ہے کہ اس میں جو سبق آموز، مفید اور کارآمد باتیں ہوں وہ آپ کے لئے نصیحت کا کام دیں.......... تو ارادہ یہ ہے کہ چھوٹے بڑے تمام واقعات جو ہمیں یاد آتے جائیں گے، وہ آپ کے سامنے بیان کریں گے۔

گھر کا تربیتی ماحول: چنانچہ جب ہم چھوٹے سے تھے، تو گھر میں ہماری تربیت پر خصوصی توجہ دی گئی کیونکہ بچوں کی تربیت میں گھر کے ماحول کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ اور اس میں والدین کا کردار سب سے بڑا عامل ہے۔ اگر اولاد کی تربیت میں والدین کے ذہن میں یکسانیت ہوتی ہے تو اولاد پر اس کا اثر نمایاں ہوتا ہے، ہماری تربیت میں ہمارے والدین کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذہنی یکسانیت کو بڑا دخل رہا ہے، اس یکسانیت کے باوجود صورت حال یہ تھی کہ والد صاحب نے عملاً یہ کام والدہ کے حوالے کر رکھا تھا، والد صاحب براہِ راست دخل نہیں دیتے تھے اور والدہ کے دارو گیر کرنے پر ناراض نہیں ہوتے تھے، ہماری والدہ اور والد دونوں نمازی تھے، جفاکش تھے، اور اپنے کاموں کو پوری ذمہ داری کے ساتھ، بروقت انجام دیتے تھے۔

کچھ والدہ صاحبہ کے متعلق: لیکن والدہ صاحبہ کی شخصیت بہت متحرک، فعال اور سحر انگیز تھی، وہ جملہ امور خانہ داری کی انجام دہی کے ساتھ اولاد کی پرورش اور تربیت پر بڑی گہری نظر رکھتی تھیں، محلے کی بچیوں کو قرآن مجید، بہشتی زیور پڑھاتیں۔ اور تمام امور خانہ داری کی تربیت بھی دیتی تھیں، اور ان کے پاس سے پڑھ کر جانے والی بچیاں بہت لائق، اور امور خانہ داری میں ماہر ہوتی تھیں۔ ہماری والدہ قالین، دریاں اور نوار بھی بُنتی تھیں اور یہ سب ہنر بچیوں کو بھی سکھاتی تھیں، باقاعدہ گندم اور چاول کی تجارت بھی کرتی تھیں، دھان خرید لیتی تھیں اور سوکھا کر پھر ان سے اوکھلی کے ذریعے چاول بنایا کرتی تھیں۔ گڑھ اور شکر کی تجارت بھی کرتی تھیں، گھر کے ایک حصے میں تجارت کے ان اموال کو محفوظ رکھنے کے لئے سیمنٹ گودام بنا رکھے تھے۔ بھینسوں کی تجارت بھی کرتی تھیں اور ویسے بھی عموماً گھر میں ایک دو بھینس ہمیشہ رہتی تھی، اس کا دودھ خود نکالتی تھیں اور ہمارے بھائی مولانا عبدالقیوم خان مرحوم بھینسوں کے سلسلے میں ان کے خصوصی معاون ہوتے تھے۔ ان کے گھاس اور چارے کا انتظام خود کرتی تھیں۔

والد صاحب کے معمولات: والد صاحب کا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں تھا، وہ تو دوپہر کو دوکان سے آکر کھانے سے فارغ ہونے کے بعد دیہات کی طرف نکل جاتے، شکار کے بہت شوقین تھے، اپنا ادھار بھی لوگوں سے وصول کرتے تھے، اور اکثر شکار بھی کھیلتے تھے، خرگوش، ہرن، مرغابیاں، مور شکار کر کے لاتے تھے۔ مرغابیاں [redacted] کے ذریعے دس پندرہ، بیس تیس زندہ شکار کر کے لاتے تھے پھر وہ محلے میں اور عزیزوں میں تقسیم ہوتی تھیں، دریا سے مچھلی بھی عام طور پر بندوق کے ذریعے شکار کرتے تھے، نشانہ ان کا کبھی خطا نہیں ہوتا تھا، اور نشانہ بازی کی مشق کا بھی بڑا اہتمام تھا۔ والد صاحب آم کا درخت لیا کرتے اور عشاء کے بعد اس کو چیر کر سوختہ تیار کرتے تھے۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ یہ عمل ہوتا تھا، چیری ہوئی چھوٹی چھوٹی لکڑیوں کا چٹہ ۲۰ فٹ اونچا ہو جاتا تھا جو گھر میں باورچی خانے میں جلانے کے کام آتا تھا۔

ابتدائی تعلیم: بچپن میں پڑھنے کے لئے ہمیں ''مسلم'' اسکول میں بٹھایا گیا جو ایک سرکاری اسکول تھا، ''مسلم'' اس کے ساتھ اس وجہ سے لگتا تھا کہ وہاں اساتذہ مسلمان ہوتے تھے، اور طلبہ بھی تقریباً تمام کے تمام مسلمان ہی ہوتے تھے، اتفاق سے کبھی کوئی غیر مسلم آجاتا تھا۔ ''مسلم اسکول'' کی ایک شناخت یہ بھی تھی کہ وہاں چھٹی جمعہ کو ہوتی تھی، اس کے مقابلے میں جو دوسرے اسکول تھے وہاں ہندو اساتذہ ہوتے تھے، اور طلبہ بھی ہندو ہی ہوتے اور وہاں چھٹی بھی اتوار کو ہوتی تھی، ''مسلم'' اسکول پرائمری اسکول تھا جہاں چار کلاسیں ہوتی تھیں۔ ان کی ترتیب اس طرح تھی کہ پہلی جماعت (الف) کی تھی، دوسری (ب) کی، اس کے بعد پھر پہلی جماعت شروع ہوتی تھی پھر دوسری، پھر تیسری، پھر چوتھی۔ سال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو چھ لگتے تھے، لیکن مشہور یہ تھا کہ پرائمری چار سال میں ہوتا ہے۔ (الف) اور (ب) کے درجوں کو شمار نہیں کیا جاتا تھا، یہ تو ہمیں یاد نہیں کہ وہ (الف) اور (ب) کے درجے ہم نے کیسے گزارے، بہرحال ہم نے وہاں پرائمری پاس کیا۔

ہمارے استاد (جنہیں ہیڈ ماسٹر اور صدر مدرس کا مقام حاصل تھا، جو بہت زمانے تک اسی اسکول میں رہے) تیسری، چوتھی اور الف والی کلاس کو پڑھاتے تھے۔ مدرس دوم جو بدلتے رہتے تھے، وہ ''ب'' اور پہلی اور دوسری کلاسوں کو پڑھاتے تھے۔

ایک ابتدائی استاد کا تذکرہ: ہیڈ ماسٹر منشی بندے حسن صاحب جو بہت اللہ والے آدمی تھے، اللہ والے ایسے تھے کہ ہر وقت ان کی زبان پر ذکر جاری رہتا تھا۔ اللہ اللہ اللہ.......... دوسری بات یہ تھی کہ وہ نماز بہت پڑھتے تھے، ''مسلم اسکول'' کے قریب ایک مسجد تھی، وہاں باقاعدہ امام کا انتظام نہیں تھا، محلے کا کوئی آدمی نماز پڑھا دیا کرتا تھا، اس مسجد میں منشی صاحب بھی نماز پڑھاتے تھے، اور اذان کوئی بھی دے دیا کرتا تھا، چونکہ سارے بچوں کو حکم یہ تھا کہ ظہر کی نماز سے پہلے پہنچ جائیں، وہاں مسجد میں نماز پڑھنا ضروری ہوتا تھا، اس لئے ہم لوگ ظہر سے پہلے پہنچ جاتے تھے، ہم دیکھتے تھے کہ منشی جی بہت لمبی نمازیں پڑھ رہے ہیں، دو رکعت کی نیت باندھی، پھر دو رکعت کی نیت باندھی۔ یہ طریقہ ان کی نماز پڑھنے کا تھا۔

منشی جی پر حضرت حکیم الامتؒ کے رعب کا اثر: منشی جی بندہ حسن صاحب لوہاری کے قریب ہی ایک گاؤں کے رہنے والے تھے، وہ بہت ذہین اور جری آدمی تھے، کئی مرتبہ انہوں نے یہ واقعہ سنایا کہ میں ''جھنجھانے'' کے ''مسلم اسکول'' میں مدرس تھا، لوگ کہا کرتے تھے کہ حکیم الأمت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے عالم ہیں، اور بڑے رعب والے انسان ہیں، لوگ ان کے پاس آتے ہوئے ڈرتے ہیں اور بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ منشی جی فرماتے تھے کہ مجھے اس پر تعجب ہوتا تھا کہ لوگ ڈرتے ہیں، اور بات کرنے کی ہمت نہیں کرتے۔ میں نے ارادہ کیا کہ میں تھانہ بھون جاؤں گا اور مولانا سے ملاقات کروں گا، چنانچہ جمعہ کے دن میں ''جھنجھانے'' سے ''شاملی کے لئے'' تانگہ'' سے روانہ ہوا، یہ تقریباً چھ میل کا فاصلہ تھا، ارادہ تھا کہ ''شاملی'' سے ریل میں بیٹھ کر'' تھانہ بھون'' جاؤں گا جو'' شاملی'' سے دس میل کے فاصلے پر ہے، ''شاملی'' اسٹیشن پر پہنچا، ریل کا وقت قریب تھا، لیکن ٹکٹ لے کر تھانہ بھون جانے کی ہمت نہ ہوئی اور واپس ''جھنجھانے'' آگیا، ایک ہفتے تک اپنے آپ کو ملامت کرتا رہا کہ لوگ تو مولانا کے پاس جا کر ڈرتے ہیں، اور بات نہیں کرسکتے اور تم دس میل کے فاصلے پر'' شاملی'' میں رہتے ہوئے ڈرنے لگے اور واپس آگئے۔ جب جمعہ کا دن آیا تو دوبارہ تھانہ بھون کے ارادے سے ''شاملی'' گیا، اور ٹکٹ خرید کر ریل میں بیٹھ گیا، گاڑی ''تھانہ بھون'' پہنچی تو وہاں کراس تھا، ہماری گاڑی ''سہارنپور'' جانے کے لئے'' تھانہ بھون'' رُکی اور دوسری گاڑی ''سہارنپور'' سے آنیوالی جو'' شاملی'' کی طرف جارہی تھی، وہ بھی رکی۔ میں اپنی گاڑی سے اتر کر اتنا خوف زدہ ہوا کہ خانقاہ جانے کے بجائے'' شاملی'' والی گاڑی میں بیٹھ گیا، اور واپس ''شاملی'' اتر کر ''جھنجھانے'' آگیا (اس لائن پر سہارنپور سے شاہدرہ اور شاہدرہ سے سہارنپور کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لئے گاڑی چلتی تھی) ''جھنجھانے'' پہنچ کر پھر میں نے اپنے آپ کو ایک ہفتے تک ملامت کی، اپنی کم ہمتی اور بزدلی پر اپنے آپ کو ملامت کرتا رہا۔ اس کے بعد پھر تیسرے جمعے کو میں ''تھانہ بھون'' کے ارادے سے روانہ ہوا، اور ریل میں بیٹھ کر ''شاملی'' سے ''تھانہ بھون'' پہنچا، اسٹیشن سے ''خانقاہ'' تک گیا۔ (اسٹیشن سے خانقاہ کا فاصلہ ایک ڈیڑھ فرلانگ کا ہے)، خانقاہ کے دروازے پر پہنچنے کے بعد پھر مجھ پر ہیبت سوار ہوئی اور میں اندر جانے کے بعد پھر واپس آنے لگا، اس واقعے کو سنا کر منشی جی فرمایا کرتے تھے کہ واقعی حضرت مولانا کے متعلق جو کچھ سنا کرتا تھا، اس کا تجربہ سنے ہوئے سے کئی گنا زیادہ مجھے اپنے بارے میں ہوا۔

پھر منشی جی کا تبادلہ وہاں سے ''لوہاری'' ہوگیا، اور یہاں سے کئی حضرات جمعہ کی نماز کے تھانہ بھون جایا کرتے تھے اور بعد نماز جمعہ حضرت کی مجلس میں بیٹھتے تھے تو منشی جی بھی ان کے ساتھ جانے لگے اور پھر حضرت سے بیعت بھی ہوگئے، اصلاح کا تعلق مولانا حکیم مصطفیٰ صاحب میرٹھی سے رہا۔

منشی جی کی سخاوت: منشی جی ذاکر وشاغل آدمی تھے، تعویذ بھی لکھا کرتے تھے، اور ایک تعویذ کے پانچ پیسے لیا کرتے تھے، جب کچھ پیسے جمع ہوجاتے تو ان کے پیڑے منگوایا کرتے اور اسکول کے بچوں میں تقسیم کردیا کرتے تھے، اسکول سڑک کے کنارے پر تھا۔ دیوبند سے امتحانات کے موقع پر جب چھٹیاں ہوتی تھیں، تو طالب علم ''تھانہ بھون'' حضرت تھانویؒ کی زیارت کے لئے کثرت سے آیا کرتے تھے، منشی جی کئی مرتبہ طالب علموں کو اسکول بلا لیتے، دودھ منگواتے، کبھی پیڑے منگواتے اور ان سے طلباء کی تواضع کیا کرتے، ہم لوگ ان کے پاس فارسی پڑھتے تھے تو دودھ پلا کر یا مٹھائی کھلا کر ان طالب علموں سے کہتے کہ یہ بچے فارسی پڑھتے ہیں، آپ ان کو تھوڑا سا سبق پڑھا دیں کبھی ''گلستان'' منگوا لیتے اور کبھی ''بوستان''۔ بیچارے طلباء اس افتاد پر پریشان ہوتے، اس لئے کہ وہ اتنی کی فارسی نہیں جانتے تھے یا اس لئے کہ وہ بغیر مطالعے کے سبق کیسے پڑھائیں......... دودھ پینے یا مٹھائی کھانے کے بعد منشی جی کو جواب بھی نہیں دے سکتے تھے اور منشی جی ان کی بے بسی کا تماشہ دیکھ کر خوش ہوتے رہتے تھے۔

منشی جی کی ذہانت اور فارسی دانی کا واقعہ: منشی جی کی فارسی میں مہارت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ رمضان میں خانقاہ کے اندر ہندوستان بھر کے عظیم علمی مراکز کے بڑے بڑے علماء کا اجتماع تھا، جو عموماً ہر رمضان میں ہوا کرتا تھا، ان علماء نے حضرت سے درخواست کی کہ ''پند نامہ عطار'' کا سبق حضرت شروع کرائیں، تاکہ اس سبق کے ضمن میں تصوف کے مسائل اور رموز پر حضرت کی گفتگو سے استفادہ کریں، حضرت نے عذر کیا اور فرمایا کہ آپ حضرات کو اس کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اصرار ہوا اور حضرت کو راضی کرلیا۔ ایک دن سبق ہورہا تھا، ایک شعر کا مطلب بیان فرما کر حضرت نے تأمل کا اظہار کیا اور فرمایا کہ میرے ذہن میں یہ مطلب آیا ہے، اگر آپ حضرات کے ذہن میں اس شعر کا کوئی دوسرا مطلب ہو تو بیان کریں، لیکن وہاں حضرت کے سامنے کسی کی ہمت نہ ہوئی اور سب ہی علماء خاموش رہے۔ منشی جی نے عرض کیا کہ حضرت!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں، حضرت حکیم الامت نے فرمایا: آپ بیان کریں تو منشی جی نے فارسی زبان میں اس شعر کا دوسرا مطلب بیان کیا اور حضرت کے بیان کردہ مطلب کے مقابلے میں اپنے مطلب کی وجوہ ترجیح بھی بیان کیں، اس پر حضرت نے فرمایا کہ شعر کے دو مطلب آپ کے سامنے آگئے ہیں، اب آپ کی مرضی ہے جس کو چاہیں قبول کرلیں یہ واقعہ ہم نے منشی جی سے کئی مرتبہ سنا۔

منشی جی کا انداز تربیت: منشی جی ہم لوگوں کی تعلیم کے ساتھ تربیت کی طرف بھی خاص توجہ فرمایا کرتے، نماز کی تاکید بہت کرتے، وقت کو فضول ضائع کرنے سے بچانے کی ترغیب دیا کرتے، ماں باپ کے ادب اور فرمانبرداری پر زور ہوتا یہ بھی فرماتے کہ اگر کبھی تم گھر میں کسی وجہ سے ناراض ہوجاؤ تو گھر کا کھانا نہ چھوڑنا، کئی بچے ناراض ہوکر کھانا نہیں کھاتے، بھوکے رہتے ہیں، پھر یا تو چوری کرتے ہیں یا کسی کے گھر جاکر کھانا کھاتے ہیں فرمایا کرتے کہ میں اپنے گھر بچپن میں کبھی ناراض ہوجاتا تو کھانا نہیں چھوڑتا تھا۔

منشی جی کا اصلاحی تعلق: منشی جی کا اصلاحی تعلق حکیم مصطفیٰ میرٹھی صاحب سے تھا، انہوں نے منشی جی کے لئے یہ تجویز کیا کہ ہر فرض نماز کے بعد کھڑے ہوکر یہ اعلان کیا کریں کہ میرے اندر تکبر ہے، خود پسندی ہے، بڑا بننے کا شوق ہے، غصہ، حسد وغیرہ اخلاقی بیماریاں ہیں، آپ حضرات دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان سے نجات دے منشی جی نے برسوں یہ اعلان کیا۔ اس پر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس طریقے سے مسلسل اعلان اصلاح کے لئے مفید نہیں، یہ علاج کے بجائے عادت بن گئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ اعلان بند کردیا۔ حکیم صاحب کا یا تو انتقال ہوچکا تھا، یا حضرت کا ارشاد سن کر حکیم صاحب نے موقوف کردیا تھا.......... آخر میں منشی جی کے مزاج میں بہت عاجزی اور مسکنت پیدا ہوگئی تھی، ہم ان کے شاگرد تھے، پہلے کی طرح خوف زدہ ہی رہتے تھے، بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی لیکن فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہ بہت اکرام فرمایا کرتے۔

کمزوری کی تلافی: تایا ابا حکیم عبدالکریم خان صاحب کے یہاں ان کے احباب کی مجلس ہوتی تھی، اس میں منشی جی بھی موجود ہوتے، جلال آباد سے چھٹی کے دن جب ہم آتے، اس مجلس سے گزر کر اندر گھر جانا ہوتا تھا، ایک مرتبہ منشی جی نے روک لیا اور فرمایا کہ "اھدنا الصراط المستقیم" کی ترکیب کرو، ہم نے فوراً کردی، ترکیب بھی آسان تھی، بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ تمہیں ترکیب کرنا آگیا ہے، شاید اس طرف اشارہ ہو کہ فارسی پڑھنے کے زمانے میں ہم نے "مصدر فیوض" پڑھاتے ہوئے تمہیں قواعد فارسی نہیں سمجھائے تھے اور ترکیب کا طریقہ نہیں بتایا تھا۔ لیکن عربی میں پہنچ کر تم نے اس کی تلافی کردی۔

فارسی کی ابتدائی تعلیم: پرائمری پاس کرنے کے بعد ہم نے ان سے فارسی شروع کی، وہ فارسی کے بہت بڑے عالم تھے البتہ عربی سے بالکل ناواقف تھے، "گلستان" میں جہاں کہیں عربی کا جملہ یا شعر آجاتا تو صاف کہہ دیتے کہ بھائی یہ مجھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں آتا۔ کتابیں ان کو ازبر یاد تھی، ابتدائی کتابیں بھی پڑھیں اور "گلستان"، "بوستان"، "انشائے فارع"، "انشائے خلیفہ" اور "انوار سہیلی" اور "سکندر نامہ" وغیرہ بھی ان کے پاس پڑھیں۔ یہ اسکول پرائمری کا تھا، اس میں ہم دو ہی ساتھی تھے۔ ایک میں تھا اور ایک محمد اسمٰعیل خان صاحب تھے چونکہ ہم پرائمری پاس کر چکے تھے اس لئے جب کبھی مدرس دوم یا نائب مدرس میں سے کوئی چلا جاتا تو استاذ ہمیں ان کی جگہ (ب) اور پہلی دوسری کی کلاسیں پڑھانے کا حکم فرماتے، یہیں سے ہمیں پڑھانے کا شوق لگا۔

اسی طرح دوسری کلاس کے طلباء کو (جو اہم کلاس تھی) جب ہم نے حساب میں کمزور دیکھا تو ان کو عصر کے بعد اپنے گھر بلا لیا کرتے (ہمارا گھر دو منزلہ تھا، دوسری منزل میں ایک ہی کمرہ ہال نما تھا) اس کی چھت پر بیٹھ کر ہم ان کو حساب سکھایا کرتے، الحمدللہ ہماری کبھی پٹائی نہیں ہوتی تھی، "مصدر فیوض" جو فارسی کے قواعد کی کتاب ہے، ہمیں پڑھایا کرتے تھے، ان کے پڑھانے کا طرز یہ تھا کہ ہم ایک دو صفحے کی عبارت پڑھ لیتے، نہ وہ سمجھاتے، نہ اجراء ہوتا اور نہ ہی وہ سنتے تھے کہ کل جو سبق پڑھا تھا وہ کیا تھا؟ البتہ جب کبھی منشی جی کی، گھر میں بیوی کے ساتھ لڑائی ہو جاتی تو وہ بہت غصے کے عالم میں مدرسے آتے اور ہم پر غصہ اتارتے، ہم سے کہتے کہ لاؤ "مصدر فیوض" تو ہم "مصدر فیوض" ان کے ہاتھ میں تھما دیتے، پھر وہ پچھلے اسباق سنتے تو یاد نہیں ہوتا تھا، اس لئے کہ نہ انہوں نے سمجھایا تھا اور نہ یاد کرنے کو کہا تھا، تو اس پر مدرسے میں ایک مہدی کا درخت ہوتا تھا، اس سے ٹہنیاں تڑوا کر ہم دونوں کی پٹائی کرتے .... منشی جی "مصدر فیوض" نہ سمجھانے کی وجہ یہ بیان فرماتے کہ "کہیں تم فارسی کے قواعد سیکھ کر میرا ہی مقابلہ نہ شروع کر دو، اس لئے یہ ایک ہتھیار میں اپنے پاس رکھتا ہوں"۔

پہلوان کی حکایت: اس پر "گلستان" کی ایک حکایت سناتے کہ ایک پہلوان نے اپنے شاگرد کو تمام داؤ پیچ سکھائے لیکن ایک باقی رکھا اور وہ شاگرد اپنے وقت کا ایک بہت بڑا پہلوان بن گیا، اس کو یہ خبر نہیں تھی کہ استاد نے ایک داؤ بچا کر رکھا ہوا ہے، چنانچہ اس نے بادشاہ کے ہاں استاد کو چیلنج کر دیا کہ میں استاد کے ساتھ کشتی لڑنا چاہتا ہوں، اس کا خیال تھا کہ چونکہ میں جوان، توانا اور طاقت ور ہوں لہٰذا میں استاد کو شکست دے دوں گا، جب مقابلہ ہوا تو استاد نے وہی داؤ جو بچا کر رکھا تھا استعمال کر کے اس کو چت کر دیا، یہ واقعہ سناتے اور فرماتے کہ اس خوف کے پیش نظر میں تمہیں فارسی قواعد نہیں سکھاتا۔

منشی جی کا رعب: لڑکوں پر منشی جی کے رعب کا یہ عالم تھا کہ دربار نامی ایک عمارت تھی، جس کا داخلی دروازہ کافی بڑا تھا، جو مغرب کی جانب تھا، مشرق میں، شمال اور جنوب میں ایک، ایک کھڑکی تھی، جنوبی کھڑکی کے قریب ایک کنواں تھا، ایک بار وہاں لڑکے کھیل رہے تھے کہ اچانک منشی جی آ گئے خوف کے مارے ایک لڑکے نے اس کنویں میں چھلانگ لگا دی جسے بعد میں زندہ نکال لیا گیا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارا لنگڑے پن کا واقعہ: اسی دربار کے دائیں جانب ایک بہت بڑا میدان تھا، جس میں وہاں کے مقامی ''جولاہے''، ''آرائیں'' مرچوں کے کھیت خرید کر مرچیں تڑوا تڑوا کر جمع کرتے تھے، ان کی ڈنٹھلیں کاٹنے کے لئے بچے اور عورتیں جمع ہو جاتے اور یوں ایک میلہ لگ جاتا تھا، ہمارے گھر میں ایک لڑکا رشید رہتا تھا، جسے ہماری والدہ نے یتیم ہونے کے ناطے سے سونے اور کھانے کی رعایت دے رکھی تھی، وہ دن بھر ایک جولاہے ''ابتو'' کے ہاں کام کرتا، رات کو سونے کے لئے ہمارے گھر آجاتا، وہ کبھی کبھی ابتو کی طرف سے ڈنٹھلیں کاٹنے کے لئے بھی جایا کرتا تھا، ہماری اس سے دوستی تھی۔ جمعہ کے دن اماں ہمیں مَل مَل کر نہلاتی تھیں اور ہمیں اس سے بڑی تکلیف اور اذیت ہوتی تھی، اس لئے بھاگنے کے چکر میں ہوتے تھے، ہمیں معلوم ہوا کہ رشید ڈنٹھلیں کاٹنے گیا ہوا ہے، تو ہم نہانے کے خوف سے اور وقت گزارنے کے لئے اس کے پاس پہنچ گئے، وہاں دیکھا کہ ''سعدو'' بھی آیا ہوا ہے (اس کا نام مجھے یاد نہیں، البتہ اس کے بڑے بھائی کا نام اسمٰعیل ہے، انہوں نے ہی عبدالقیوم خان صاحب کے آنے کے بعد ہمارا مکان خریدا تھا) اس سعدو کی نئی نئی شادی ہوئی تھی، ان کے ہاں کم عمری میں شادی کرنے کا رواج تھا، اس نے شادی کا سافہ باندھ رکھا تھا، سردی کا زمانہ تھا، میں نے بھی سافہ باندھ رکھا تھا، وہ ہمارے اسکول کا بھی ساتھی تھا، میں نے اس سے کہا کہ بھائی یہ سافہ دکھا، اسے باندھ کے دیکھتا ہوں، اور اپنا سافہ اسے دے دیا کہ تو اسے باندھ کے دیکھ، یوں تبادلہ ہوگیا، میرا سافہ تو پرانا تھا اس کا شادی کا تھا، اس نے میرا سافہ اٹھا کر پھینک دیا تو خراب ہوگیا، میں نے بھی اس کا سافہ پھینک دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مجھے مارنے کے لئے دوڑا، میں بھاگ کر مرچوں کے مالکان کے پاس جانے لگا جو قریب ہی جگہ بیٹھے ہوئے تھے تاکہ مار نہ پڑے، راستہ میں درانتیاں وغیرہ پڑی تھیں، ایک درانتی سے میرا پاؤں ٹکرایا اور وہ یہاں سے کٹ گیا، خون بے تحاشہ بہہ رہا تھا، شور مچ گیا کہ پاؤں کٹ گیا، پاؤں کٹ گیا، لیکن زخم گرم ہونے کی وجہ سے مجھے محسوس نہیں ہوا............ہمارے والد صاحب اسی روز اپنی دکان مطب کی دوائیں خریدنے کے لئے دلی جانے والے تھے، ان بیچاروں کو معلوم ہوا تو وہ بھی آگئے، وہاں قصبے میں دو ڈاکٹر تھے، معلوم نہیں ان کی تعلیم کیا تھی، ایک ہندو ڈاکٹر کشن لال کے پاس لے گئے، اس نے ہمارے پاؤں میں ٹانکے لگائے، سن کرنے کا انجکشن بھی نہیں لگایا، لیکن ہم روئے نہیں اور پوری برداشت سے کام لیا۔ اس کے بعد ایک مہینے تک بستر پر پڑے رہے، اور جب چلنا شروع کیا تو یہ نقص ہمارے پاؤں میں ہوگیا۔

اس کی بھی شاید عجیب وجہ یہ تھی کہ جب ہم اسکول میں پڑھتے تھے تو وہاں اسکول کے ساتھ مغلوں کے دور کی بنی ہوئی شاندار مسجد تھی، اس میں شہتوت کا درخت تھا، بچے پیشاب وغیرہ کے بہانے آتے اور شہتوت توڑتے، ایک خان صاحب اس مسجد کے نگران تھے، ان کا نام یحیٰی خاں تھا عرف ''بھائیو خان'' تھا، وہ اس طرح چلتے تھے جس طرح آج میں چلتا ہوں، تو وہ لڑکوں کو ڈانٹا کرتے تھے، مارتے تو نہیں تھے۔ لیکن ان کے پیچھے دوڑتے تھے اس لئے اسکول کے تمام لڑکے ان سے ناراض تھے کہ شہتوت نہیں توڑنے دیتے۔ ہم وہاں استاد کی حیثیت سے بھی کام کرتے تھے، اور فارسی پڑھنے کا زمانہ تھا، ویسے بھی ہم نمایاں تھے۔ سارے لڑکے ہمارے کہنے میں ہوتے، شام کو جب چھٹی ہو جاتی اور ماسٹر چلے جاتے تو ہم لڑکوں سے کہتے کہ سب لائن میں کھڑے ہو کر ''بھائیوں خان'' کی نقل کرو۔ ہم ایک جگہ کھڑے ہو جاتے اور سارے لڑکے ''بھائیوں خان'' کی نقل اتار رہے ہوتے، یہ حرکت ہماری طرف سے ہوتی تھی، لیکن اللہ کو یہ بات پسند نہیں آئی اور ہمارے ساتھ یہ واقعہ پیش آگیا۔ اور ہم بھی ''بھائیو خان'' ہی بن گئے، اسی طرح چلنے لگے، حالانکہ ہم نابالغ غیر مکلف بھی تھے۔ (جاری)

☆......☆......☆

© rasailojaraid.com